محمد جعفر شاہ پھلواروی

صدیقِ اکبرؓ کا پہلا خطبہ

خلیفۂ اوّل سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پہلے خطبۂ خلافت کو تاریخ اسلام میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے سیاست، معاشرت، قانون اور اخلاق کے جن اصولوں کی تشریح فرمائی ہے وہ اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کی تشکیل میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

جناب صدیقِ اکبر کے اس خطبے کی عمرانی تشریح سننے سے پہلے ایک ضروری بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے کہ عملی اور فعال قسم کے لوگوں کے خطبے طویل نہیں ہوا کرتے۔ اور قرونِ اولیٰ کے خطبات تو اتنے مختصر ہوتے تھے کہ اہم سے اہم خطبے بھی دو ایک منٹ سے زیادہ وقت نہ لیتے۔ اس اختصار کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اُس دَور کا تمدّن آج کی طرح شاخ در شاخ پھیلا ہُوا نہ تھا جس کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنے کے لئے تقریر کو طول دینا پڑے۔ دوسرا سبب اس اختصار کا یہ ہے کہ ان کے سامنے کام زیادہ اور باتیں کم تھیں۔ آج بعض اوقات ہم یہ سنتے ہیں کہ فلاں صاحب نے نوّے منٹ تقریر کی، فلاں شخص نے چھ گھنٹے کا خطبۂ صدارت پڑھا اور فلاں مقرر نو گھنٹے مسلسل کمالِ خطابت دکھاتا رہا، تو ہمیں زیادہ تعجب نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ہمیں قرنِ اوّل کے رہنماؤں کے متعلق بھی ایسا ہی گمان ہو کہ وہ بڑے فصیح و بلیغ عرب تھے لہٰذا وہ بھی اسی طرح گھنٹوں اپنے فنِ خطابت کے کمالات دکھایا کرتے ہوں گے۔ لیکن واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ خلفائے راشدین نمونہ تھے نبویؐ زندگی کا۔ اور خود نبویؐ زندگی میں ہمیں کوئی طویل خطبہ نہیں ملتا۔ خلفائے راشدین بھی اس معاملے میں حضورؐ ہی کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ وہ اپنی عملی زندگی کے خلا کو تقریری حاشیوں سے پُر کرنے کے قائل نہ تھے۔ بے ضرورت اور غیر مفید گفتگوؤں کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا۔ اس لئے وہ جو کچھ بھی کہتے وہ "ماقلّ ودلّ" کا نمونہ ہوتا۔ یعنی تھوڑے وقت اور کم سے کم الفاظ میں اپنے مطالب کو سمجھا دیتے۔ اس کے باوجود ان کے چند جملوں میں خطابت کے تمام شرائط کمال سمٹ کر آجاتے تھے۔ جناب صدیقِ اکبر کے خطبۂ خلافت کو بھی اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے کہ ایک سو فی صد عملی راہنما تھوڑے سے وقت میں چند ایسے بنیادی حقائق کو سمجھا رہا ہے جن کے بغیر نہ کوئی اعلیٰ سوسائٹی بن سکتی ہے نہ کسی ستھرے نظامِ مملکت کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ پھر مخاطب وہ اُمت ہے جسے نبوی تربیت نے ذہنِ رسا بخشا ہے ایسا ذہن رسا جو طوالتِ بیان کا محتاج ہی نہیں۔

اب جناب صدیقِ اکبر کے اس خطبے کو سنئے جو آپ نے انتخابِ خلافت کے بعد ہی پہلی مرتبہ دیا ہے۔ ہم اس کے ایک ایک ٹکڑے کو نقل کر کے الگ الگ بتائیں گے کہ معاشری زندگی کے لئے یہ کس درجے ضروری اور اساسی باتیں ہیں۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے یہ خطبۂ صدیقی یوں نقل کیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اللہ

تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمائی۔ اسلامی اور غیر اسلامی نظامِ زندگی میں سب سے بڑا بنیادی فرق یہی ہے کہ اسلام میں اس کا آغاز و انجام سب کچھ ہدایتِ خداوندی سے وابستہ ہوتا ہے اور غیر اسلامی نظام میں خدا سے کامل بے تعلقی ہوتی ہے۔ حمدِ خداوندی کے بعد آپ نے پہلی بات یہ فرمائی کہ:

ایھا الناس فانی قد ولیت علیکم ولست بخیر کم

اے لوگو! میں تمہارا والی و امیر بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے برتر نہیں ہوں۔

ایک اسلامی معاشرے میں جس انداز کا نظامِ مملکت ہونا چاہیئے اس کا بنیادی تصور یہ ہے کہ اس میں قانون کے آگے ہر فرد یکساں ہے کوئی کسی سے برتر و بہتر نہیں۔ امیر یا خلیفہ بننے سے کوئی شخص قانون سے بالاتر نہیں ہو جاتا۔ وہ صرف افرادِ مملکت کی نگرانی کی خدمت انجام دیتا ہے ورنہ اس میں اور عوام میں کوئی امتیاز و فرق نہیں ہوتا۔ یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ذرا سی حکومت ہاتھ آجائے تو انسان کا دماغ نہیں ملتا۔ اس میں تعلّی آجاتی ہے اور وہ اپنے آپ کو عوام سے بالاتر تصوّر کرنے لگتا ہے۔ یہی وہ رعونت ہے جو انسانی معاشرے کو حاکم و محکوم کے دو طبقوں میں بانٹ دیتی ہے اور یہ خلیج جتنی زیادہ وسیع ہوتی جاتی ہے اسی قدر سوسائٹی میں گھن لگتا جاتا ہے۔ جناب صدیق اکبر نے اسی حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ اس اسلامی معاشرے میں آقا و غلام، بادشاہ و رعایا اور حاکم و محکوم کا کوئی تصور نہیں۔ یہاں سب بھائی بھائی ہیں اور سب مساوی حقوق رکھتے ہیں۔ ذرا بتائیے ایک اعلیٰ سوسائٹی کا کیا اس سے بھی کوئی بہتر تصور ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقومونی۔

اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر برائی کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔

ذرا یہ ذہن میں رکھیئے کہ ایک فرمانروا یہ باتیں اُس عہد میں کر رہا ہے جب کہ .... فرمانروائی کا مطلب ہی قیصری و کسروی جبر و استبداد تھا۔ افرادِ مملکت کو ضمیر کی یہ آزادی اور کس نے کبھی دی ہے۔ اب تو یہ مسلّم ہو گیا ہے کہ اعلیٰ معاشرہ وہی ہے جہاں حریتِ ضمیر کی نعمت حاصل ہو اور اپنی ہی صحیح و غلط باتوں کو جبر و استبداد سے منوانے کا فرعونی جذبہ نہ ہو۔ یورپ کی بادشاہیوں میں آج بھی یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ بادشاہ غلطی نہیں کرتا (KING NEVER ERRS) لیکن صدیقِ اکبر کی راستبازی و فراخ حوصلگی کو دیکھیئے۔ وہ کیسی صاف گوئی سے فرما رہے ہیں کہ غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جب ایسا کروں تو مجھے سیدھا کر دو اور امداد نیک ہی کاموں میں کرو۔

پھر فرمایا:

الصدق امانۃ والکذب خیانۃ۔

سچائی امانت ہے اور دروغ خیانت۔

یہ ایک ایسی صحیح حقیقت ہے جو ہمیشہ سے تسلیم شدہ ہے اور کبھی اس میں ترمیم و اضافہ نہ ہو سکے گا۔ یہ ایسا اخلاقی درس ہے جو ہر اعلیٰ سوسائٹی کی جان ہے جس معاشرے میں امانت صدق کی محافظت کی جائے اس کے سنورنے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور جس سوسائٹی میں دروغ فروغ پا جائے اس کی بربادی میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے بعد آپ نے مملکتی فرائض کے سمندر کو کوزے میں بند کرتے ہوئے فرمایا کہ:

الضعیف فیکم قوی عندی حتیٰ ارجع علیہ حقہ ان شاء اللہ، والقوی فیکم ضعیف حتیٰ آخذ الحق منہ ان شاء اللہ۔

یعنی تم میں جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے تاآنکہ اس کا حق اسے واپس دلوا دوں ان شاء اللہ
اور جو تم میں طاقتور ہے وہ بے زور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق اگلوا لوں ان شاء اللہ

یہاں ذرا غور سے کام لیجئے۔ ایک اعلیٰ معاشرے کا تصور کیا ہو سکتا ہے؟ یہی کہ اس میں عدل کے تقاضے پورے ہوتے ہوں کوئی طاقتور کمزور کا حق نہ چھین سکے۔ اور اگر ایسا کرے تو بے بس مظلوم کی دادرسی ہو اور اس کا سلب کیا ہوا حق اسے واپس دلوا دیا جائے اور ظالم طاقتور کو اس کے ظلم کی پاداش سے مفر نہ ہو سکے۔ اس کے ہاتھ باندھ دئے جائیں اور اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ وہ مملکت اور وہ سوسائٹی ہی کیا جہاں قانون کمزوروں کو تو اپنی گرفت میں لے لے اور طاقتوروں سے چشم پوشی کر جائے؟ جہاں ظالموں کا ظلم نہ دور کیا جائے اور مظلوم کمزوروں کی کوئی حمایت نہ کی جائے؟ یہی تو ہے وہ مخصوص صفت جو ایک ریاست کو عادلانہ ریاست اور ایک معاشرے کو اعلیٰ معاشرہ بناتی ہے۔ یہی ہے وہ اصل فریضۂ امیر و خلیفہ جس کا اعلان جناب صدیق نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں فرمایا۔

یہاں آگے چلنے سے پہلے ایک اور نکتے کو بھی سمجھ لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنا یہ فریضہ بیان کرتے ہوئے دو جگہ لفظ ان شاء اللہ فرمایا ہے۔ ہمارے ہاں اس لفظ کا استعمال عزم کی ناپختگی اور ارادے کے ڈھیلے پن کی غمازی کرتا ہے۔ یعنی جب کوئی وعدہ مشکوک ہو یا ارادہ پختہ نہ ہو تو "ان شاء اللہ" کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں فی الجملہ آزادی حاصل ہو گئی یا یہ کہ اب اتنی زیادہ پابندی نہیں رہی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان شاء اللہ کا یہ مفہوم ہی نہیں۔ اس کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ اپنی طرف سے تو تکمیل کار کی ہر ممکن کوشش ہو گی اور کوئی کوتاہی نہیں کی جائے گی لیکن اگر اچانک مشیت الٰہی کوئی ایسی رکاوٹ پیدا کر دے جس کو دور کرنا اپنے بس کی بات نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اسے کوتاہی، غفلت، بے اعتنائی یا ترک کوشش نہیں کہا جائے گا۔ ان شاء اللہ کا صرف یہی مفہوم ہے نہ کہ ارادے کا ڈھیلا پن۔ یہ حکم قرآنی بھی ہے کہ ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ یعنی بغیر ان شاء اللہ کہے یہ دعوے مت کرو کہ میں کل فلاں کام ضرور کروں گا۔ یہ لفظ انسان کے ادعا اور تکبر کو دور کرنے کے لئے ہے نہ کہ ارادے کو کمزور کرنے کے لئے۔

اس کے بعد جناب صدیق اکبر نے زندگی کا ایک ایسا گر بتایا جس کے بغیر کوئی معاشرہ نپپ نہیں سکتا۔ فرمایا:

لایدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ الاخذ لہم اللہ بالذل۔

جو قوم بھی جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ بیٹھے اسے خدا بھی ذلت سے ہمکنار کر کے چھوڑ دیتا ہے۔

جہاد سے مراد محض قتال وجنگ نہیں۔ جہاد کہتے ہیں سعی بلیغ اور انتہائی کوشش کو۔ جان، مال، خاندان، علم، عزت، وقت، دل، دماغ، ہاتھ پاؤں غرض جس چیز کو بھی آپ اعلیٰ اقدار کے لئے پوری طرح لگا دیں گے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہوگا۔ مُردہ قوموں میں یہ صلاحیت بھی مُردہ ہو جاتی ہے اور وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہو کر رہتی ہے اور جاندار قوموں میں یہی خصوصیتِ جہاد بکمال ہوتی ہے۔

اس کے بعد حضرت صدیق نے معاشرے کی بقا کے لئے ایک اعلیٰ اخلاقی درس یوں دیا کہ:

ولا تشیع الفاحشۃ فی قوم الا عمّھم اللہ بالبلاء۔

جس قوم میں بے حیائی کی باتیں پھیل جائیں اس میں خدا ابتلاؤں کو عام کر دیتا ہے۔

کسی سوسائٹی کے لئے بے حیائی کی باتوں سے زیادہ شاید اور کوئی چیز تباہ کن نہیں ہوتی۔ اس لئے آپ نے اس سے بھی قوم کو خبردار کر دیا۔

اس کے بعد حضرت صدیق نے ایک ایسی بات فرمائی جو ایک خدا پرست کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ خدا پرست بھی ایسا جس کے دل کے کسی گوشے میں ہوسِ اقتدار اور سودائے حکومت کی کوئی رمق بھی موجود نہ ہو۔ فرمانروایانِ ملک اپنی اطاعت کس طرح کراتے ہیں اور اپنی ہر جائز وناجائز خواہش کی تعمیل کیونکر کراتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کید ومکر اور ظلم وجور کے کیا کیا حربے استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں فنِ تاریخ کے مبتدی طالب علم سے بھی پوشیدہ نہیں۔ لیکن سیدنا صدیقِ اکبر کیا چاہتے ہیں اسے بھی سنئے۔ فرماتے ہیں:

اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ، فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم۔

جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرو۔ اور اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں تم پر میری کوئی اطاعت درست نہیں۔

اللہ اکبر، اطاعتِ الٰہی کی پابندی کی شرط کے ساتھ حریتِ ضمیر کا یہ کتنا شاندار پروانہ ہے۔ آج دنیا کا کوئی چارٹر پیش کیا جا سکتا ہے جو قانون کی بالاتری کی تائید میں اور شخصیت پرستی کی نفی میں اس سے زیادہ واضح، جامع اور مبنی بر صداقت ہو؟ کیا ایک معاشرے کے جمہوری نظام کو اعلیٰ ترین منزل پر پہنچانے کے لئے اس سے برتر ہدایت واصول کی تلاش بھی ممکن ہے؟ یہی ہے ایک اسلامی ریاست کی وہ اساس جس کی طرف دنیا کی متمدن قومیں خود بخود کشاں کشاں چلی آ رہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے قانونِ الٰہی کی اساسی برتری کو ابھی تسلیم نہیں کیا ہے لیکن نفسِ قانون کی بالاتری وبرتری کو مان لیا ہے اگرچہ ابھی تک عملاً اس کے

بھی کئی گوشے تشنہ ہی ہیں۔ جناب صدیق اکبر نے اپنے اس اعلان میں ایک بڑی بنیادی حقیقت کی پردہ کشائی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک اچھا معاشرہ غیر مسلم قوم میں بھی ہو سکتا ہے لیکن ایک اعلیٰ اسلامی سوسائٹی بنیادی طور پر اس سے مختلف ہوتی ہے وہاں اطاعت صرف قانون کی ہوتی ہے جو انسان ہی وضع کرتے ہیں اور یہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہے اور امیر یا خلیفہ اسی کی اطاعت کراتا ہے اور خود بھی اسی کا پابند رہتا ہے۔

اس کے بعد حضرتِ صدیق اکبر نے جو آخری بات فرمائی وہ یہ تھی کہ:

قوموا الی صلاتکم یرحمکم اللہ۔

اپنی نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔

ممکن ہے یہ کسی نماز کا وقت ہو یا شکرانے کی نماز ادا کرنی مقصود ہو لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دو رکعت کی امامت نہیں تھی۔ صلوٰۃ تو اہلِ اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک عملی نمونہ اور اس کی لگاتار ٹریننگ یا تربیت و مشق ہے جس میں ایک ذہنی ہم آہنگی کے لئے منتشر قوتوں کو یکجا اور منظم کیا جاتا ہے، بلند و پست کی تفریق کو ختم کیا جاتا ہے، اطاعتِ امیر کی عادت ڈالی جاتی ہے اور اگر وہ غلطی کرے تو اسے لقمہ دے دیا جاتا ہے اور ان تمام قدروں کو صرف مسجد کی چار دیواری تک محدود نہیں رکھا جاتا، بلکہ ساری انفرادی و اجتماعی زندگی پر پھیلانا مقصود ہوتا ہے۔ غرض نظامِ صلوٰۃ تمام روحانی و سیاسی اقدار کا جامع ہے۔ یہی اسلام کی عمرانی زندگی کی ابتدا اور یہی انتہا ہے جس کی طرف سیدنا صدیق اکبر نے قوم کو توجہ دلائی ہے۔

غرض آپ کا یہ پہلا خطبۂ خلافت ایک اعلیٰ عمرانی زندگی کے لئے ایسا جامع ہدایت نامہ ہے جس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

مجلس ترقیٔ ادب ـــ کا ـــ سہ ماہی مجلہ

صحیفہ

مدیر:- سید عابد علی عابد

مشہور و مقبول قلمکاروں کے مضامین

معیاری طباعت ~~~~~~~~ رنگین سرورق

سالانہ دس روپے ~~~~~~~~ فی پرچہ تین روپے

پتہ:- معتمد مجلس ترقیٔ ادب۔ باغ نرسنگھ داس۔ کلب روڈ۔ لاہور